Surah Nisa (Ayat 166-176)

Mareful Quran:

166: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں

167: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

اور اللہ کافی ہے حق ظاہر کرنے والا، جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک کر دور جا پڑے

168: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝

جو لوگ کافر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو اور نہ دکھلادے گا ان کو سیدھی راہ

169: اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

مگر راہ دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

170: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اے لوگو! تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آچکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو امان لو تاکہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمان میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔

ربط آیات :

یہودیوں کے اعتراضات کا جواب اور نبوت محمدیہ علی صاحبہ السلام کے اثبات کے بعد اب تمام جہان کے انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔

خلاصہ تفسیر

اے تمام (جہان کے) لوگو تمہارے پاس یہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچی بات (یعنی سچا دعویٰ، سچی دلیل) لے کر تمہارے پروردگار (جل شانہ) کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو (مقتضی اثبات دعوی بالدلیل الصحیح کا یہ ہے کہ) تم (ان پر اور جو توجیہ فرمادیں سب پر) یقین رکھو (جو پہلے سے یقین لائے ہوئے ہیں وہ اس پر قائم رہیں اور جو نہیں لائے اب اختیار کرلیں) یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، (کیونکہ نجات ہوگی) اور اگر تم منکر ہوگئے تو (تمہارا ہی نقصان ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی (تو) ملک ہے یہ سب جو کچھ (بھی) آسمانوں میں اور زمین میں (موجود) ہے (تو ایسے بڑے عظیم الشان مالک، قادر کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، مگر اپنی خیر منالو) اور اللہ تعالیٰ (سب کے ایمان و کفر کی) پوری اطلاع رکھتے ہیں (اور دنیا میں جو پوری سزا نہیں دیتے تو اس لیے کہ) کامل حکمت والے (بھی) ہیں (وہ حکمت اس کو مقتضی ہے۔)

171: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ تعالیٰ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑو بہتر ہوگا تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز

ربط آیات :

ماقبل کی آیات میں یہود کو خطاب تھا اور انہی کی گمراہیوں کی تفصیل ذکر کی گئی اس آیت میں نصاری کو خطاب ہے اور ان کی بداعتقادی اور خدا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ان کے باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے اہل کتاب (یعنی انجیل والو) تم اپنے دین (کے بارہ) میں (عقیدہ حقہ کی) حد سے مت نکلو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو (کہ نعوذ باللہ وہ صاحب اولاد ہے، جیسا بعض کہتے تھے المسیح ابن اللہ یا وہ مجموعہ آلہہ کا ایک جزو ہے جیسا بعض کہتے تھے ان اللہ ثالث ثلثۃ اور بقیہ دو جز ایک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو کہتے تھے اور ایک حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو جیسا آیت آئندہ میں ولا الملئکۃ المقربون کے بڑھانے سے معلوم ہوتا ہے اور بعضے حضرت مریم (علیہا السلام) کو جیسا اتخذونی وامی سے معلوم ہوتا ہے یا وہ عین مسیح ہے جیسا بعض کہتے تھے ان اللہ ھو المسیح ابن مریم،

غرض یہ سب عقیدے باطل ہیں) مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ (پیدائش) ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے (حضرت) مریم تک (حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے واسطہ سے) پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جان (دار چیز) ہیں (کہ اس جان کو حضرت مریم کے جسم میں بواسطہ نفخ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے پہنچا دیا تھا باقی نہ وہ ابن اللہ ہیں نہ تین میں کے ایک ہیں، جیسا عقائد مذکورہ میں لازم آتا ہے) سو (جب یہ سب باتیں غلط ہیں تو سب سے توبہ کرو اور) اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر (ان کی تعلیم کے مطابق ایمان لاؤ (اور وہ موقوف ہے توحید پر، پس توحید کا عقیدہ رکھو) اور یوں مت کہو کہ (خدا) تین ہیں (مقصود منع کرنا ہے شرک سے اور وہ سب اقوال مذکورہ میں مشترک ہے، اس شرک سے) باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا (اور توحید کے قائل ہو جاؤ کیونکہ) معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے (اور وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں (اور ان کا منزہ اور مالک علی الاطلاق ہونا دلیل ہی توحید کی) اور (ایک دلیل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں (اور ان کے سوا سب کارسازی میں ناکافی و محتاج الی الغیر اور ایک حد پر جا کر عاجز ہو جاتے ہیں اور یہ کفایت صفات کمال سے ہے اور صفات کا کمال لوازم الوہیت سے ہے، جب وہ غیر اللہ میں منتفی ہے پس الوہیت میں بھی منفی ہے، لہٰذا توحید ثابت ہے۔

معارف و مسائل

وکلمتہ اس لفظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا کلمہ ہیں، مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) امام غزالی فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہے، اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا کلمہ "کن" فرمانا جس کے بعد وہ بچہ وجود میں آجاتا ہے۔۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حق میں چونکہ پہلا عامل منفی ہے، اس لیے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمتہ اللہ کہا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطہ کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔۔ اس صورت میں القھا الی مریم کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم (علیہا السلام) تک پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش عمل میں آگئی۔

(۲) بعض نے فرمایا کہ کلمتہ اللہ، بشارۃ اللہ کے معنی میں ہے اور مادہ اس سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں، اللہ جل شانہ، نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت مریم (علیہا السلام) کو حضرت عیسیٰ کی جو بشارت دی تھی اس میں "کلمہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اذ قالت الملئکۃ یمرم ان اللہ یبشرک بکلمۃ

(۳) بعض نے فرمایا کلمتہ آیت اور نشانی کے معنی میں ہے، جیسا کہ دوسری جگہ یہ لفظ آیتہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، وصدقت بکلمت ربھا

وروح منہ اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟۔۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ جل شانہ کی طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟

اس سلسلہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں۔

(۱) بعض نے فرمایا: عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شئے کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو مبالغہ کے لیے اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش میں چونکہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا اور وہ صرف اللہ جل شانہ کے ارادہ اور کلمہ کن کا نتیجہ تھے، اس لیے اپنی طہارت و نظافت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم و تشریف کے لیے ہے، جس طرح مساجد کی تعظیم کے لیے ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے، "مساجد اللہ"، یا کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے "بیت اللہ" کہا جاتا ہے، یا کسی اطاعت شعار بندہ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے "عبد اللہ" کہا جاتا ہے، چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ صیغہ استعمال کیا گیا ہے اسری بعبدہ

(۲) بعض حضرات نے فرمایا عیسیٰ (علیہ السلام) کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ دلوں میں روحانی حیات ڈال کر پھر زندہ کر دیں، چونکہ وہ روحانی حیات کا سبب تھے جس طرح روح جسمانی حیات کا سبب ہوا کرتی ہے، اس لیے اس اعتبار سے ان کو روح کہا گیا، جیسا کہ خود قرآن کریم کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا، کیونکہ قرآن کریم بھی روحانی حیات بخشتا ہے۔

(۳) بعض نے فرمایا کہ روح کا استعمال راز کے معنی میں ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اپنی عجیب و غریب پیدائش کی وجہ سے چونکہ اللہ جل شانہ کی ایک نشانی اور راز تھے اس لیے انھیں روح اللہ کہا گیا۔

(۴) بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں تھی ذو روح منہ اور چونکہ ذی روح ہونے میں سب حیوان برابر ہیں، اس لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کا امتیاز اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کی نسبت اللہ جل شانہ نے اپنی طرف کر دی۔

(۵) ایک قول یہ بھی ہے کہ روح، نفخ (پھونک) کے معنی میں ہے، حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے حضرت مریم کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک دیا تھا اور اسی سے حمل قرار پا گیا، چونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بطور معجزہ کے صرف نفخ سے پیدا ہو گئے تھے اس لیے آپ کو روح اللہ کہا گیا، قرآن کریم کی دوسری آیت فنفخنا فیہا من روحنا سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد احتمالات بیان کئے گئے ہیں، بہر حال اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا ایک جز ہیں اور یہی روح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی انسانی شکل میں ظاہر ہو گئی ہے۔

لطیفہ:۔ علامہ آلوسی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے حضرت علی بن الحسین واقدی سے مناظرہ کیا اور ان سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا جزو ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھ دی، جس میں "روح منہ" کے الفاظ ہیں۔

علامہ واقدی نے ان کے جواب میں ایک دوسری آیت پڑھ دی وسخر لکم مافی السموت ومافی الارض جمیعاًمنہ (اس آیت میں کہا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی اللہ سے ہے اور منہ کے ذریعہ سے سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کر دی گئی ہے) اور فرمایا کہ روح منہ کا اگر مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کا جزو ہیں تو اس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا جزو ہے؟ یہ جواب سن کر نصرانی طبیب لاجواب ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

ولا تقولوا ثلثۃ نزول قرآن کے وقت نصاری جن بڑے بڑے فرقوں میں تقسیم تھے تثلیث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پر مبنی تھا، ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین خدا ہیں اور خدا ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے، دوسرے فرقہ کا کہنا یہ تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے اور تیسرا فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے، باپ، بیٹا مریم اس جماعت میں بھی دو گروہ تھے، دوسرا گروہ وہ حضرت مریم کی جگہ روح القدس کو اقنوم ثالث کہتا تھا غرض یہ لوگ حضرت مسیح (علیہ السلام) کو ثالث ثلاثہ تسلیم کرتے تھے اس لیے قرآن کریم میں تینوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی، اور نصاریٰ پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسیح (علیہ السلام) مریم (علیہا السلام) کے بطن سے پیدا شدہ انسان اور خدا کے سچے رسول ہیں، اس سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے سب باطل اور لغو ہے، خواہ اس میں تفریط ہو جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ وہ شعبدہ باز اور مفتری تھے، یا افراط ہو جیسا کہ نصاری کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں، یا تین میں تیسرے ہیں۔

قرآن کریم نے بیشمار آیات میں ایک طرف تو نصاری اور یہود کی گمراہی کو واضح کیا اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی شان رفیع اور عند اللہ ان کے مقام اعلی کو واضح فرمایا ہے تاکہ افراط و تفریط کے کج راہوں میں سے حق کا معتدل راستہ نمایاں ہو جائے۔

عیسائی عقائد اور ان کے مختلف پہلوؤں پر اور اس کے بالمقابل اسلام کی حقانیت پر اگر تفصیلی معلومات حاصل کرنا ہوں تو حضرت مولانا رحمتہ اللہ صاحب کیرانوی کی مشہور عالم کتاب "اظہار الحق" کا مطالعہ کریں، جس کا عربی سے ترجمہ مع شرح و تحقیق حال میں دار العلوم کراچی نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

لہ مافی السموات ومافی الارض وکفی باللہ وکیلا، یعنی آسمان اور زمین میں اوپر سے نیچے تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک اور اس کے بندے ہیں، پھر کہتے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کارسازی کے لیے وہی کافی اور بس ہے، کسی دوسرے کی حاجت نہیں، پھر بتلایئے اس کو شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہو سکتی ہے؟

خلاصہ :۔ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اس کی شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش اور نہ اس کی حاجت، جس سے معلوم ہو گیا کہ مخلوقات میں کسی کو خدا کا شریک یا بیٹا کہنا اس کا کام ہے جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔

دین میں غلو حرام ہے :۔ (قولہ تعالیٰ) لاتغلوا فی دینکم، اس آیت میں اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا، غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں اور امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا :

" یعنی دین کے بارے میں غلو یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے۔ "

اہل کتاب یعنی یہود و نصاری دونوں کو اس حکم کا مخاطب اس لیے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے اور یہ دونوں فرقے غلو فی الدین ہی کے شکار ہیں، کیونکہ نصاری نے تو عیسیٰ (علیہ السلام) کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنا دیا اور یہود نے ان کے نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا کہ ان کو رسول بھی نہ مانا، بلکہ معاذ اللہ ان کی والدہ ماجدہ مریم پر تہمت لگائی اور ان کے نسب پر عیاں لگایا۔

چونکہ غلو فی الدین کے سبب یہود و نصاری کی گمراہی اور تباہی مشاہدہ میں آچکی تھی، اس لیے رسل اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی، مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم کی روایت ہے کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :

" میری مدح و ثناء میں ایسا مبالغہ نہ کر جیسا نصاری نے عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں کیا ہے، خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس لیے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔ "

(اس روایت کو بخاری اور ابن مدینی نے بھی روایت کیا ہے اور صحیح السن قرار دیا ہے۔)

خلاصہ یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور بشر ہونے میں سب کے ساتھ شریک ہوں، میرا سب سے بڑا درجہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس سے آگے بڑھانا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں مجھے شریک قرار دے دو یہ غلو، تم نصاری کی طرح کہیں اس غلو میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور یہود و نصاری کا یہ غلو فی الدین صرف انبیاء ہی کی حد تک نہیں رہا، بلکہ انھوں نے جب یہ عادت ہی ڈال لی تو انبیاء (علیہم السلام) کے حواریین اور متبعین اور ان کے نائبین کے مقابلہ میں بھی یہی برتاؤ اختیار کر لیا، رسول کو تو خدا بنا دیا تھا، رسول کے متبعین کو معصوم کا درجہ دیدیا، پھر یہ بھی تنقید و تحقیق نہ کی کہ یہ لوگ حقیقتاً انبیاء کے متبع اور ان کی تعلیم پر صحیح طور سے قائم بھی ہیں یا محض وراثۃً عالم یا شیخ سمجھے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں ان کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو خود بھی گمراہ تھے اور ان کی گمراہی کو اور بڑھاتے تھے، دین اور تدین ہی کی راہ سے ان کا دین برباد ہو گیا، قرآن حکیم نے ان لوگوں کی اس حالت کا بیان اس آیت میں فرمایا ہے : اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ، یعنی ان لوگوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو بھی معبود کا درجہ دیدیا، اس طرح رسول کو تو خدا بنایا ہی تھا، اتباع رسول کے نام پر پچھلے مذہبی پیشواؤں کی بھی پرستش شروع کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ غلو فی الدین وہ تباہ کن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کر دیا ہے، اسی لیے ہمارے آقا و مولا حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی امت کو اس وباء عظیم سے بچانے کے لیے مکمل تدبیریں فرمائیں۔

حدیث میں ہے کہ حج کے موقع پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رمی جمرات کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس کو فرمایا کہ آپ کے واسطے کنکریاں جمع کر لائیں، انھوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کر دیں، آپ نے ان کو بہت پسند فرما کر دو مرتبہ فرمایا: بمثلھن بمثلھن یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہیے، پھر فرمایا :

" یعنی غلو فی الدین سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلی امتیں غلو فی الدین ہی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئیں۔ "

اس حدیث سے چند اہم مسائل معلوم ہوئے :

فوائد مہمہ :۔ اول یہ کہ حج میں جو کنکریاں جمرات پر پھینکیں جاتی ہیں، ان کی حد مسنون یہ ہے کہ وہ متوسط ہوں، نہ بہت چھوٹی ہوں نہ بہت بڑی، بڑے بڑے پتھر اٹھا کر پھینکنا غلو فی الدین میں داخل ہے۔

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی حد شرعی وہ ہے جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے قول و عمل سے متعین فرمادی، اس سے تجاوز کرنا غلو ہے۔

تیسرے یہ واضح ہو گیا کہ غلو فی الدین کی تعریف یہ ہے کہ کسی کام میں اس کی حد مسنون سے تجاوز کیا جائے۔

حب دنیا کی حدود :۔ ضرورت سے زیادہ دنیا کے مال و دولت اور عیش و عشرت کی طمع اسلام میں مذمت ہے اور اس کے ترک کرنے کی ہدایتیں بھی قرآن میں بکثرت وارد ہیں، لیکن رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جہاں طمع دنیا اور حب دنیا سے منع فرمایا وہیں اپنے قول و عمل سے اس کی حدود بھی متعین فرمادی ہیں کہ نکاح کرنے کو اپنی سنت قرار دیا اور اس کی ترغیب دی، اولاد پیدا کرنے کے فوائد اور درجات بتلائے اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو فرض قرار دیا اپنی اور ان کی ضروریات کے لیے کس معاش کو فریضہ بعد الفریضہ فرمایا، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت اور مزدوری کی لوگوں کو تاکید فرمائی، اسلامی حکمت کا قیام اور اسلامی نظام کی ترویج کو فریضہ نبوت قرار دے کر اپنے عمل سے پورے جزیرۃ العرب میں ایک نظام مملکت قائم فرمایا اور خلفائے راشدین نے اس کو دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا، جس سے ملوم ہوا کہ بقدر ضرورت ان چیزوں کا اشتغال نہ حب دنیا میں شمارے نہ حرص و طمع میں۔

یہود و نصاری نے اس حقیقت کو نہ سمجھا اور رہبانیت میں مبتلا ہو گئے، قرآن حکیم نے ان کی اس کجروی کو ان الفاظ میں رد فرمایا: رہبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغآء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا "یعنی ان لوگوں نے اپنی طرف سے رہبانیت کے یعنی ترک دنیا کے طریقے اختیار کر لیے جو " ہم نے ان کے ذمہ نہ لگائے تھے، پھر جو چیزیں خود عائد کر لی تھیں ان کو پورا بھی نہ کر سکے۔

سنت اور بدعت کی حدود :۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عبادات، معاملات اور معاشرت سب ہی چیزوں میں اپنے قول عمل سے اعتدال کی حدود مقرر فرمادی ہیں اور ان سے پیچھے رہنا کوتاہی اور آگے بڑھنا گمراہی ہے، اسی لیے آپ نے بدعات اور محدثات کو بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے، ارشاد فرمایا :

" یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ "

بدعت اسی چیز کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قول و عمل میں صراحتہ یا اشارۃ موجد نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اسلام میں بدعت کو اس لیے سخت جرم قرار دیا کہ وہ تحریف دین کا راستہ ہے، پچھلی امتوں میں یہی ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسل کی تعلیمات پر اپنی طرف سے اضافے کر لیے اور ہر آنے والی نسل ان میں اضافے کرتی رہی یہاں تک کہ یہ پتہ نہ رہا کہ اصل دین کیا تھا اور لوگوں کے اضافے کیا ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ کے اندر یہ بیان فرمایا ہے کہ تحریف دین کے دنیا میں کیا کیا اسباب پیش آئے ہیں اور شریعت اسلام نے ان سب کے دروازوں پر کس طرح پہرہ بٹھایا کہ سوراخ سے یہ وباء اس امت میں نہ پھیلے۔

علماء و مشائخ کی تعظیم و اتباع میں راہ اعتدال :۔ ان اسباب میں سے دین کے بارے میں تعمق و تشدد یعنی غلو فی الدین کو بڑا سبب قرار دیا مگر افسوس ہے کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس قدر اہتمام اور شریعت کی اتنی پابندیوں کے باجود آج امت مسلمہ اسی غلو کی بری طرح شکار ہے، دین کے سارے ہی شعبوں میں اس کے آثار نمایاں ہیں، ان میں سے بالخصوص جو چیز ملت کے لیے مہلک اور انتہائی مضر ثابت ہو رہی ہے وہ دینی مقتداء و پیشواؤں کا معاملہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت تو اس پر گئی ہے کہ مقتداء و پیشواء علماء و عرفاء کوئی چیز نہیں، کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے، جیسے وہ اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں ہم بھی سمجھ سکتے ہیں، ھم رجال و نحن رجال یعنی وہ بھی آدمی ہیں ہم بھی آدمی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہوسناک جو نہ عربی زبان سے، واقف ہے نہ قرآن کے حقائق معارف سے نہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیان و تفسیر سے محض قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اپنے کو قرآن کا عالم کہنے لگا، قرآن کریم کی جو تفسیر تشریح خود رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا آپ کے بلاواسطہ شاگرد یعنی صحابہ کرام سے منقول ہے اس سب سے قطع نظر جو بات ذہن میں آگئی اس کو قرآن کے سر تھوپ دیا، حالانہ اگر صرف کتاب بغیر معلم کے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت تھی کہ کتاب کے نسخے لکھے لکھائے لوگوں کو پہنچا دیتے، رسول کو معلم بنا کر بھیجنے کی ضرورت نہ تھی، اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بات صرف کتاب اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں، کسی بھی علم فن کی کتاب کا محض ترجمہ دیکھ کر کبھی کوئی شخص اس فن کا عالم نہیں بن سکتا، ڈاکٹری، یا طب یونانی کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر آج تک کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں بنا، انجینئری کی کتابیں دیکھ کر کوئی انجینئر نہیں بنا، کپڑا سینے یا کھانا پکانے کی کتابیں دیکھ کر کوئی درزی یا باورچی نہیں بنا، بلکہ ان سب چیزوں میں تعلیم و تعلم اور معلم کی ضرورت سب کے

نزدیک مسلم ہے، مگر افسوس کہ قرآن وسنت ہی کو ایسا سرسری سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے لیے کسی معلم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، چنانچہ ایک بہت بڑی تعلیم یافتہ لوگوں کی جماعت تو اس طرف غلو میں بہہ گئی کہ صرف قرآن کے مطابق کو کافی سمجھ بیٹھے، علماء سلف کی تفسیروں اور تعبیروں کو اور ان کے اقتداء، واتباع کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔

دوسری طرف ایک بھاری جماعت مسلمانوں کی اس غلو میں مبتلا ہو گئی کہ اندھا دھند جس کو چاہا اپنا مقتداء اور پیشوا بنا لیا، پھر ان کی اندھی تقلید شروع کر دی، نہ یہ معلوم کہ جس کو ہم مقتداء اور پیشواء بنا رہے ہیں یہ علم و عمل اور صلاح و تقوی کے معیار پر صحیح بھی اترتا ہے یا نہیں؟ اور نہ پھر اس طرف کوئی دھیان کیا کہ جو تعلیم یہ دے رہا ہے وہ قرآن وسنت کے مخالف تو نہیں؟ شریعت اسلام نے غلو سے بچا کر ان دونوں کے درمیان طریقہ کار یہ بتلایا کہ کتاب اللہ کو رجال اللہ سے سیکھو اور رجال اللہ کو کتاب اللہ سے پہچانو، یعنی قرآن وسنت کی مشہور تعلیمات کے ذریعہ پہلے ان لوگوں کو پہچانو جو کتاب وسنت کے علوم میں مشغول ہیں اور ان کی زندگی کتاب وسنت کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے، پھر کتاب وسنت کے ہر الجھے ہوئے مسئلہ میں ان کی تفسیر و تشریح کو اپنی رائے سے مقدم سمجھو، اور ان کا اتباع کرو۔

172: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○

مسیح کو اس سے ہر گز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا،

خلاصہ تفسیر

(نصاری خواہ مخواہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کو اللہ یا جزو اللہ بنا رہے ہیں، خود حضرت) مسیح (کی یہ کیفیت ہے کہ سکونت ارض کی حالت میں تو ان کا اقرار عبدیت جو کہ مبطل الوہیت ہے مشہور اور سب کو معلوم ہی ہے لیکن اب بھی سکونت سماء کی حالت میں کہ سکونت ارض سے ارفع اور مظنہ تعلی کا ہے، یا قیامت تک وہ جس حالت میں ہوں ان سے کوئی پوچھ کر دیکھئے اس حالت میں بھی) ہر گز خدا کا بندہ بننے سے عار (اور انکار) نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے (کبھی عار کریں گے، جن میں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) بھی ہیں، جن کو آلہ کار ایک جزو مانتے ہیں خود ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے) اور (وہ عار کریں کیسے اس عار کرنے کا ایسا برا انجام ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو (اس کا انجام سن لو) اللہ تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس (یعنی حساب کے موقع پر) جمع کریں گے پھر جو لوگ (دنیا میں) ایمان لائے ہوں گے اور انھوں نے اچھے کام کئے ہوں گے (یعنی عبد بنے رہے ہوں گے، کیونکہ حاصل عبدیت کا یہی ایمان اور اعمال ہیں) تو ان کو تو ان کا پورا ثواب (بھی)

دیں گے (جو کہ ایمان اور اعمال پر منصوص ہے) اور (اس کے علاوہ) ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں گے، (جس کی تفصیل منصوص نہیں) اور جن لوگوں نے (عبد بننے سے) عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پاویں گے۔

معارف ومسائل

اللہ کا بندہ ہونا اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے :۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ الخ یعنی مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتوں کو عار ہے اس لیے کہ اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے حکموں کو بجالانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے، حضرت مسیح (علیہ السلام) اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر و قیمت پوچھئے ان کو اس سے کیسے ننگ اور عار آسکتا ہے، البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے، جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو بیٹیاں مان کر ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے، سو ان کے لیے ہمیشہ کو عذاب اور ذلت ہے (فوائد عثمانی)

173: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○

پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انھوں نے

اچھے تو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

174: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○

اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح

خلاصہ تفسیر

اے (تمام) لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک (کافی) دلیل آچکی ہے (وہ ذات مبارک ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی) اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے (وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتلایا جائے وہ سب حق ہے جن میں مضامین مذکورہ بھی داخل ہیں) سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے (جس کے لیے توحید و تنزیہ کا اعتقاد لازم

ہے) اور انھوں نے اللہ (کے دین) کو (یعنی اسلام کو) مضبوط پکڑا (جس کے لیے رسول اور قرآن کی تصدیق لازم ہے) سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں یعنی جنت میں) داخل کریں گے اور اپنے فضل میں (لے لیں گے یعنی دخول جنت کے علاوہ اور بھی نعمائے عظمی دیں گے جن میں دیدار الہی بھی داخل ہے) اور اپنے تک (پہنچنے کا) ان کو سیدھا راستہ بتلادیں گے (یعنی دنیا میں ان کو طریق رضا پر قائم وثابت رکھیں گے اور اسی سے (تارک ایمان واعمال صالحہ کی حالت معلوم ہوگئی کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔

معارف ومسائل

برہان سے کیا مراد ہے؟: (قولہ تعالیٰ) قدجآءکم برھان من ربکم برہان کے لفظی معنی دلیل کے ہیں، اس سے مراد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس ہے (روح)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس کو لفظ برہان سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ آپ کی ذات مبارک اور آپ کے اخلاق کریمانہ، آپ کے معجزات اور آپ پر کتاب کا نزول، یہ سب چیزیں آپ کی نبوت اور آپ کی رسالت کے کھلے کھلے دلائل ہیں، جن کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی تو یوں سمجھنا چاہیے کہ آپ کی ذات خود ہی ایک مجسم دلیل ہے۔

اور نور سے مراد قرآن مجید ہے (روح) جیسا کہ سورۃ مائدہ کی اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے قدجآءکم من اللہ نور وکتب مبین (۵:۵۱) "یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور وہ ایک کتاب واضح یعنی قرآن ہے" (بیان القرآن) اس آیت میں جس کو نور کہا گیا ہے آگے اسی کو کتاب مبین کہا گیا، یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عطف تو تغائر کو چاہتا ہے لہٰذا نور اور کتاب ایک چیز نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ تغائر عنوان کا کافی ہے اگرچہ مصداق اور معنون ایک ہی ہے (روح)

اور اگر نور سے مراد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس ہو، اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو یہ بھی صحیح ہے (روح) لیکن اس سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایسا نور محض ہونا ثابت نہیں ہوتا جو بشریت اور جسمانیت کے منافی ہو۔

175: فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّیَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۝

سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت میں اور فضل میں اور پہنچادے گا ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر۔

176: يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اس کے ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑا مرا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتے کہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

: ربط آیات

شروع سورت کے ذرا بعد میراث کے احکام مذکور تھے، پھر وہاں سے تقریباً ایک پارہ کے بعد دوسرے احکام کے ساتھ حکم میراث کی طرف پھر عود ہوا تھا، اب ختم سورت پر پھر عود ہے، اسی کی طرف شاید تین جگہ اس کے متفرق کر دینے میں حکمت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے میراث کے باب میں بہت ظلم تھا، پس سورت کے اول میں، وسط میں، آخر میں اس کے ذکر فرمانے سے مخاطبین کا اہتمام بلیغ اس بات میں مفہوم ہوگا جس سے وہ بھی زیادہ اہتمام کریں۔

خلاصہ تفسیر

لوگ آپ سے (میراث کلالہ کے باب میں یعنی جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ ہوں) حکم دریافت کرتے ہیں آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے (وہ یہ ہے کہ) اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مونث اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کے ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا (یعنی بعد حقوق متقدمہ اور بقیہ نصف اگر کئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا ورنہ پھر اسی پر رد ہو جائے گا) اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا، اگر (وہ بہن مر جائے اور) اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر (ایسی) بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے (اور ایک تہائی عصبہ کو وہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا) اور اگر (ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث) وارث چند (یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی) بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو (ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ) ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر (یعنی بھائی کو دوہرا بہن کو اکہرا لیکن عینی بھائی سے علاتی بھائی بہن سب ساقط ہو جاتے ہیں اور عینی بہن سے کبھی وہ ساقط ہو جاتے ہیں کبھی حصہ گھٹ جاتا ہے، جس کی تفصیل کتب

فرائض میں نہیں اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لیے بیان کرتے ہیں کہ تم (ناواقفی سے) گمراہی میں نہ پڑو (یہ تو تذکیر احسان ہے) اور اللہ (تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، (پس احکام کی مصلحتوں سے بھی مطلع ہیں اور احکام میں ان کی رعایت کی جاتی ہے، یہ حکمت کا بیان ہے۔

معارف ومسائل

فوائد مہمہ :۔ (۱) قولہ تعالیٰ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلٰۃ اس جگہ کلالہ کے حکم اور اس کے سبب نزول بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسا پہلے وان تکفروا فان للہ ما فی السموت وما فی الارض فرما کر اس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد فاما الذین امنوا باللہ واعتصموا بہ الخ کے بعد اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور برائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے۔

(۲) اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوگئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہ وتعالیٰ کے لیے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو تمثنیل کو اپنا ایمان بنالیا اور وحی الٰہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو درکنار معاملات جزیہ اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں اور ہر امر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دیکھتے ہیں، اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے، اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوئی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ بیبیں تفات رہ از کجاست تا بہ کجا۔

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت سید المرسلین بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے، اگر کسی امر میں حکم وحی موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے، جب وحی آتی تب حکم فرماتے، نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں تھی جو بوقت حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے، کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کر سکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کا جواب مل سکتا ہے، جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی وعزت خطاب حق وعزجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا، واللہ ذوالفضل العظیم، جس صحابی کی بھلائی میں یا اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع میں جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی نازل ہوگئی قیامت تک ان کی خوبی اور نیک نام باقی رہے گا، سو کلالہ کے متعلق سوال وجواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات اور جوابات کی طرف اشارہ فرمادیا۔ (فوائد عثمانی)

تمت سورۃ النسآء واللہ الحمد اولہ واخرہ